شرائط نکاح کے بارے میں فقہاء کرامؒ کے آراء کا تحقیقی مطالعہ

A Study of the Jurists' Opinions about the Conditions of Marriage

شاکر محمود*

اسماالنصر**

Abstract

Islam is a complete code of life. It throws light on every aspect of human life. There is no perplexity which solution has not been given by Islam. It has also discussed every piece of beliefs and ethics including human affairs with each other. There is no faith comparable to Islam on the earth. Western civilization and culture is at its peak. It has literally made people blind followers of itself. That's why they are producing new interpretations of Islam in order to keep pace with the world. It is true that accepted wisdom is a blessing but to the limits of Sharia. Otherwise it is a legacy of Shaytan (شیطان). Nikah is one of the most important and critical stage of human life. It has been clearly discussed in Quran and Hadith. It is made mandatory for the continuation of human life. It's been referred as completion of human life and one of the mandatory Sunna of Prophet (ﷺ). On the other hand, the dissolution of marriage is one of the most disliked actions. However, Islam is not like other religions. It has the complete course of action/laws of the dissolution of marriage. Nikah, Talaq, Khula and Eela have been discussed properly which are made more clear by the jurists by using Estihsan and Qaiyas.

* پی۔ایچ۔ڈی ریسرچ اسکالرز شعبہ علوم اسلامیہ تخصص قرآن و تفسیر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، پاکستان

** پی۔ایچ۔ڈی ریسرچ اسکالرز شعبہ علوم اسلامیہ تخصص قرآن و تفسیر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، پ

موضوع کا تعارف

دین اسلام ایک نہایت جامع اور مدلل دین ہے جس میں انسان کی زندگی کے مختلف اور متنوع گوشوں پر سیر حاصل ہدایات موجود ہیں۔ انسان اپنی زندگی کے کسی موڑ اور کسی مرحلہ میں کسی ایسی الجھن میں مبتلا نہیں ہوتا جس میں اسلام نے اس کی رہنمائی نہ کی ہو اور عقائد واعمال اور اخلاق و معاملات کے سبھی پہلوؤں پر حسب ضرورت روشنی نہ ڈالی ہو، اس وقت دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو اپنی جامعیت میں اسلام کے ہم پلہ تو کیا اس کا عشر عشیر بھی ثابت ہو سکے اور صداقت اسلام تو اس پر مستزاد ہے۔

مغربی تہذیب کی نحوست اپنے عروج پر ہے اس نے کئی لوگوں کا دل ودماغ ماؤف اور آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے جو آئے دن اسلام کی نت نئی تعبیریں اور تفسیریں کر رہے ہیں جو عقل و خرد اور رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے اور اسلامی اصول و فروع کو اس نہج پر ڈھالنے کے لیے خوشنما اور دلربا الفاظ اور تعبیر سے تلقین کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فکر خداداد بھی ایک نعمت ہے مگر اُسی حد تک جب تک کہ شریعت کے مطابق ہو ورنہ آزادی افکار ابلیس کی ایجاد ہے۔

انسانی زندگی کے سفر میں ایک مرحلہ نکاح کا بھی آتا ہے جس پر قرآن وحدیث میں کھرے کھرے احکام اور اس کی ترغیب پر صریح ارشادات موجود ہیں۔ تکمیل انسانیت کے لیے ازدواجی زندگی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور جب نکاح کرنا اور شرعی دائرہ میں رہ کر میاں بیوی کا گہرا تعلق رضائے الٰہی اتباع سنت اور تکمیل انسانیت کا ایک بہترین ذریعہ ہے تو اس کا توڑنا بھی اسی انداز کا مبغوض وناپسندیدہ امر ہے جس قدر کہ محبوب ہے۔ لیکن اسلام دیگر ادیان کی طرح ناقص نہیں کہ اس میں نکاح کے بندھن کو توڑنے اور اس کے بعد آنے والے مراحل کے قوانین نہیں ہوں یا اس میں تشنگی اور پریشانی ہو۔ ایسا ہرگز نہیں۔

جیسا کہ ظاہر ہے کہ ماں باپ اور اولاد کے بعد قریب ترین تعلقات کی فہرست میں تیسرا درجہ زن وشو کا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح والدین کے حقوق کی توضیح بوڑھوں کی تسکین کا ذریعہ، اور اولاد کے حقوق کی تفصیل پر ننھے بچوں کی ہستی اور زندگی کا مدار تھا، اسی طرح حقوق زوجین کی تشریح پر جوانوں کے بلکہ ہر گھر کے عیش و عشرت کا انحصار ہے۔

اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب قائم تھے ان سب میں عورت کو اور عورت ومرد کے ازدواجی تعلق کو بہت حد تک اخلاق وروح کی ترقی ومدارج کے لیے عائق ومانع تسلیم کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں بودھ، جین، ویدانت، جوگ اور سادھوپن کے تمام پیرو اسی نظریہ کے پابند تھے، عیسائی مذہب میں تجرد

اور عورت سے بے تعلقی ہی کمال روحانی کا ذریعہ تھا، اسلام نے آکر اس نظریہ کو باطل کیا اور بتایا کہ اخلاق اور روح کی تکمیل جس قدر تجرد میں ہو سکتی ہے، اس سے بدرجہا زیادہ تعلق ازدواج میں ممکن ہے کہ اخلاق نام حسن معاملہ اور حسنِ سلوک کا ہے، جو کسی کا شوہر نہ ہو، جو کسی کی بیوی نہ ہو، جو کسی کا باپ نہ ہو، جو کسی کی ماں نہ ہو، جو کسی کا بھائی نہ ہو اور نہ کسی کی بہن ہو، نہ کسی سے رشتہ ناتہ رکھے اس پر دنیا کے کیا فرائض عائد ہو سکتے ہیں؟ اور اخلاق کی تکمیل کے لیے اس کو کون سے فطری موقع مل سکتے ہیں؟ پھر دنیا میں اس عفت و عصمت کی موت جو اخلاقی قالب کی روح ہے اس تجرد کی زندگی میں کتنی یقینی ہے۔ اسلام نے نکاح کو ہر عمر کے مرد و عورت بلکہ آزاد و غلام پر ایک کے لیے بہتر بلکہ خیر و برکت کا سبب قرار دیا۔ میاں بیوی کی باہمی موافقت اور میل جول کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ ان لوگوں کی سخت برائی کی ہے جو زن و شوہر کے باہمی میل جول اور مہر و محبت میں فرق ڈالیں۔ مرد و عورت کو ایک دوسرے سے ملا کر اللہ تعالیٰ نے دونوں کے جنسی میلان کو ان کی معاشی اور معاشرتی کمی کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے، اس لیے یہ ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم، ایک دوسرے کی پردہ پوشی، ایک دوسرے کی زینت اور ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔

جاہلیت میں نکاح کی کئی قسمیں رائج تھیں۔ اسلام نے اس میں چند صورتوں کو باقی رکھا۔ اسی طرح اسی زمانے میں بیویوں کی بھی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ اسلام نے بہ یک وقت چار بیویوں کو نکاح میں رکھنے کا حکم نافذ کیا۔ غرض یہ کہ اسلام نے شادی اور اس کے متعلقات سے تفصیلی بحث کی ہے۔ مجتہدین نے اس بندھن سے متعلقہ چھپے ہوئے گوشوں کو کھول کر واضح کیا ہے۔ متون فقہ ان سے بھری پڑی ہیں۔ مسلمانوں کا نکاح دو آزاد، عاقل بالغ اور مسلمان گواہوں کے بغیر منعقد نہ ہو گا۔ دونوں گواہ مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ عادل ہوں یا غیر عادل یا محدود فی القذف ہوں (یعنی انہیں تہمت لگانے کی بناء پر سزا مل چکی ہو)[1]۔

نکاح میں حسب ذیل امور وضاحت طلب ہیں:

ا۔ ولایت

لَا نِكاحَ إلاَّ بِوَلِيٍّ[2] "ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: لاَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ إلاَّ بِإِذْنِ وَلِيِّها أَوْ ذِي الرَّأْيِ مِنْ أَهْلِها أَوِ السُّلْطَانِ[3] "عورت اپنے ولی یا خاندان کے کسی صاحب رائے فرد یا سلطان کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔"

ولایت کی صحت کے لیے تین شرطیں ہیں:

ا۔ مسلمان ہونا

۲۔ بالغ ہونا

۳۔ مذکر ہونا

سلبی صفات ان صفات کی ضد ہیں یعنی کافر ہونا، کم سنی اور موئنث ہونا۔ غلام فاسق اور کم عقل کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ ولایت قریبی رشتہ دار کی معتبر ہو گی[4]۔ اگر مرد عاقل بالغ ہو یا عورت شوہر دیدہ (ثیّبہ) ہو تو، بالاتفاق ولی کی وساطت سے نکاح کا انجام پانا ضروری نہیں؛ مجلس میں عدم موجودگی کی صورت میں وہ دونوں اپنا وکیل مقرر کرنے کی مجاز ہیں۔ اس طرح لڑکا یا لڑکی نابالغ ہیں تو ان کے نکاح کے لیے بالاتفاق ولی کا توسط ضروری ہے، تاہم اگر ولی، باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور شخص ہو تو دونوں کو بالغ ہونے کے وقت "خیار بلوغ" دیا جائے گا، جس سے فائدہ اٹھا کر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک نکاح کو کالعدم کر سکتا ہے۔ اگر لڑکی عاقل، بالغ، مگر کنواری ہو، تو امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل کے نزدیک نکاح کے لیے اس کی رضامندی غیر ضروری ہے اور اس کے اولیاء (باپ، دادا) اس کو اپنی مرضی کا نکاح کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں ان کی ولایت کو ولایت اجبار اور خود ان کو "ولی مجبر" کہا جاتا ہے، مگر احناف کے نزدیک بہر صورت عاقل بالغ لڑکی کی اپنی رضامندی ضروری ہے، گو اس کے لیے اپنے اولیا کی رضامندی کا خیال رکھنا بھی مستحب ہے۔ آج کل بیشتر اسلامی ممالک میں اسی قانون پر عملدرآمد ہو رہا ہے[5]۔ تاہم اگر کوئی اپنے کفو سے باہر یا مہر مثل سے کم پر کسی سے نکاح کر لے تو اولیا عدالت کے ذریعے اس نکاح کو فسخ کرانے کے مجاز ہیں۔ دلہن کی رضامندی ہاں کرنے، خاموش رہنے یا مسکرانے سے اور ناراضگی انکار کرنے یا رونے سے ظاہر ہوتی ہے[6]۔ ولی حسب ذیل افراد میں سے بہ ترتیب ذیل ہو سکتا ہے:

الف: آبائی رشتہ میں قریب ترین رشتہ دار مرد۔

ب: باپ کی اولاد میں سے قریب ترین رشتہ دار مرد۔

ج: دادا کی اولاد میں سے قریب ترین رشتہ دار مرد۔

د: ماں اور اس کے رشتہ دار مرد اور عورتیں، تقسیم وراثت کے اصول پر۔

ھ: ان کی عدم موجودگی میں قاضی یا اس کا مقرر کردہ نمائندہ، یا ان کا خود منتخب کردہ کوئی نمائندہ[7]۔

۱۔ کفو

کفاءت سے مراد نسب، اسلام، حریت، دیانت، مال اور معیشت میں یکسانیت ہے۔ عام حالات میں اگر نکاح دلہن اوراس کے اولیاء کی باہمی رضامندی سے انجام پایاتوکفو کا اصول غیر مؤثر ہوتا ہے، تاہم اگر نکاح غیر کفو میں کیاجائے اوراس پر لڑکی یااس کا ولی رضامندی نہ ہوں، تو اس نکاح کو عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے[8]۔

۲۔ مہر کی تعیین

عورت کو حلال بنانے کے لیے خاوند جو مال دیتا ہے اُسے مہر کہتے ہیں۔ مہر ادا کرنا واجب اور فرض ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے(فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ)[9]"اُن کے سرپرستوں کی اجازت سے اُن سے نکاح کرواوراُن کے مہرادا کرو۔"اور نیز یہ ارشاد کہ(وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً)[10]"اور عورتوں کے مہر خوشی سے ان کو ادا کرو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَعْظَمُ النِّسَاءِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُنَّ صَدَاقًا[11]"وہ عورت سب سے زیادہ بابرکت ہے جس کا حصول آسانی سے ہو۔"

۳۔ ایک ہی مجلس میں مربوط ہونا

مربوط ہونا کہ ایک ہی مجلس میں یاایک ہی موقع پر دونوں انجام پائیں بھی ضروری ہے۔اس کے علاوہ بعض اشیاء صحت نکاح کے لیے ضروری ہے۔ جنہیں نکاح کی شرائط کہا جاتا ہے۔

۴۔ دو گواہوں کی موجودگی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے(وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ)[12] "اوراپنے میں سے دوعادل مردوں کو گواہ بناؤ" ایک روایت میں منقول ہے کہ: لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ[13]"ولی اور دوعادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہے۔" شرائط نکاح میں دو گواہوں (دونوں مرد یاایک مرد دوعورتیں) کی موجودگی ہے۔امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چھپ کر نکاح کرنے کے بجائے اعلان عام ہونا چاہیے، اگرچہ بذریعہ دف ہو کیوں اس طرح ایک حدیث[14] میں وارد ہے[15]۔ نکاح کے گواہوں کا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عادل وصالح ہونا بھی شرط ہے[16]، مگر احناف کے ہاں یہ پابندی غیر ضروری ہے[17]۔

۵۔ عورت کا نامحرم ہونا

۶۔ نابالغ اور دیوانہ ہونے کی صورت میں اس کے ولی کی اجازت: کفو سے باہر نکاح کرنے کی صورت میں کنواری لڑکی کے ولی کی اجازت، اگر نکاح ولی کر رہا ہو تو اس کا عاقل بالغ ہونا

۷۔ نکاح کو کسی مدت کے ساتھ محدود نہ کرنا وغیرہ

نِکَاحٌ کے بنیادی معنے ہی اس امر کے متقاضی ہیں کہ یہ تعلق ایسا ہونا چاہئے جیسا آنکھ اور نیند کا ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے میں اس طرح جذب ہو جائیں جیسے بارش کا پانی زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ ایسا تعلق اور وہ بھی عمر بھر کے لیے بغیر فکر و نظر کی ہم آہنگی، ذوق و مزاج، تصورات و خیالات اور نظریات و متعقدات کی یک جہتی کے ممکن نہیں ہے ظاہری ہے کہ ایسے تعلق کے لیے باہمی رضامندی اولین اور بنیادی شرط ہو گی۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم نے اسے سخت عہد بُند ھن اور گرہ یعنی معاہدہ قرار دیا ہے اور معاہدہ طرفین کی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ مزید بر آں قرآن کریم نے خود اس کی تصریح بھی فرمادی ہے۔ سورہ النساء میں ہے: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوْا النِّسَاءَ كَرْهًا)[18] "اے پیروانِ دعوتِ ایمانی !یہ بات تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے والی اور وارث بن جاؤ۔" علاوہ ازیں سورۃ البقرہ میں ان عورتوں کے متعلق جنہیں ان کے شوہروں نے طلاق دے دی ہو اور عدت کے دوران شوہروں نے رجوع بھی نہ کیا ہو اور اب دونوں ایک دوسرے سے بے تعلق ہو چکے ہوں۔ لیکن عدت گذر جانے کے بعد سابق شوہر ان سے ازسرنو دوبارہ نکاح کرنا چاہتے تھے لیکن عورتوں کے قرابت دار بوجہ غصہ اور ناراضگی کے اس میں حارج ہوتے تھے۔ ان کے متعلق ہدایت فرمائی گئی ہے۔ سورہ البقرہ میں ہے: وَاِذَاطَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ)[19]

"اور جب تم عورتوں (بیویوں) کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت بھی پوری کر چکی ہوں تو اُنہیں اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے سابقہ شوہروں سے دوبارہ دستور کے مطابق نکاح کر لیں جب کہ وہ آپس میں اس کے لیے رضامند ہوں۔"

ان دونوں آیات کریمہ سے وضاحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں باہمی رضامندی ضروری ہے۔ مرد ہو یا عورت ہو کسی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف زبردستی نہیں کی جاسکتی۔ دونوں طرف سے رضامندی کا اظہار ہونا چاہئے۔

ایجاب وقبول

رضامندی کے اسی اظہار کو ایجاب وقبول کہا جاتا ہے۔چنانچہ بغیر ایجاب وقبول کے نکاح نہیں ہوسکتا۔باہمی رضامندی کا یہ اظہار چند لوگوں کے سامنے ہونا چاہئے۔

شہادت

وَاِذَاطَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِاس آیت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بِالْمَعْرُوفِ(دستوراور عُرف کے مطابق)کالفظ بھی موجود ہے۔ایجاب وقبول یعنی نکاح کامعاہدہ جب سے انسان نے عقل وشعور سیکھاہے مجمع کے سامنے ہی ہوتا آیا ہے۔عورت اور مرد کی باہمی رضامندی عام طور پر زنامیں بھی ہوتی ہے لیکن نہ تووہ عمر بھر کے لیے باہمی بناہ کامعاہدہ ہوتاہے اورنہ ہی اس کااعلان کیاجاتاہے بلکہ وہ چھپ چھپا کر کیاجاتاہے۔اسے عربی زبان میں نِکَاحٌ نہیں کہتے بلکہ اس کے لیے وِقَاحٌ، سِفَاحٌ یازناکالفظ بولاجاتاہے۔قرآن کریم نے اس پر تصریح بھی فرمادی ہے کہ نکاح کامعاہدہ کیاجائے یانکاح کے معاہدہ کو فسخ کیاجائے دونوں صورتوں میں ضروری ہے کہ دومعتبر ذی حیثیت آدمیوں کو گواہ ضروربنالیاجائے۔اس کے بغیر نہ نکاح کامعاہدہ معتبر ہوگا۔اورنہ معاہدہ نکاح کافسخ قابل اعتبار ہوگا۔چنانچہ سورۃ طلاق میں ارشاد فرمایاگیاہے۔(يٰاَيُّهَاالنَّبِيُّ اِذَاطَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ،وَاتَّقُوااللّٰه رَبَّكُمْ.....فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوفٍ اَوْفَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَاَقِيْمُوْا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ)[20]"اے پیغمبر!جب تم عورتوں کاطلاق دوتوان کی عدت کے شروع میں، حیض سے فارغ ہونے کے بعد شروع طُہر میں)اُنہیں طلاق دیاکرو اورعدت کوشمار کرتے رہاکرو۔اوراللہ ،اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو۔۔۔پھرجب وہ اپنی عدت پوری کرلیں توچاہے دستور کے مطابق(ان سے از سر نو دوبارہ نکاح کرکے)انہیں روک لویادستور کے مطابق ان سے جدائیگی اختیار کرلواوردونوں حالتوں میں)انصاف پسند آدمیوں کواپنے میں سے گواہ بنالواور گواہی کواللہ کے لیے قائم کرو۔

اعلان

امام مالکؒ نے شہادت کوضروری نہیں سمجھابلکہ انہوں نے اعلان کوضروری قرار دیاہے۔اس میں شبہ نہیں کہ اعلان بھی ہوناچاہیے۔کیوں کہ آیت(وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ)[21] میں جوپہلے گذرچکی ہے۔بِالْمَعْرُوْفِ

کا لفظ موجود ہے اور دنیا میں بہر حال دستور یہی ہے کہ نکاح کا اعلان ضرور کیا جاتا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا آیات کی رو سے شہادت لازمی ہے۔ اعلان اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

گواہوں کی شرائط

گواہوں کے لیے جو شرائط ہوتی ہیں کہ وہ آزاد ہوں، عاقل ہوں، بالغ ہوں، مسلمان ہوں، کم از کم دو مرد ہوں یا دو عورتیں ہوں، یہ تمام شرطیں نکاح کے گواہوں میں ملحوظ رکھنی چاہئیں۔ حنفیہ کے ہاں عادل اور ثقہ ہونا ضروری نہیں ہے ان کے نزدیک دو فاسقوں کی شہادت سے بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک شاہدوں کا عادل اور ثقہ ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دونوں گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے۔ لیکن حنفیہؒ کے نزدیک اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں بھی کافی ہو سکتی ہیں[22]۔ امام شافعیؒ اور احمد ابن حنبلؒ نے غالباً سورہ الطلاق کی پہلی اور دوسری آیت میں وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ کے الفاظ سے دونوں کا مرد ہونا لازمی ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شامل ہونا چاہیے۔ کیوں کہ قرآن کریم کا عام اسلوبِ بیان یہی ہے کہ وہ عورتوں کے لیے مسائل الگ بیان نہیں کرتا۔ بلکہ مذکر کے صیغے استعمال کرتا ہے اور مرد عورت دونوں مراد ہوتے ہیں۔ لہٰذا گواہوں کا عادل اور ثقہ ہونا تو تسلیم ہے۔ لیکن دونوں کا مرد ہونا اس آیت سے ثابت نہیں کیا جا سکتا مِنْکُمْ کے لفظ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ گواہ مسلمان ہونے چاہئیں کافروں کی شہادت مسلمانوں کے حق میں تسلیم نہیں کی جائے گی وہ تم میں سے یعنی مسلمان ہونے چاہئیں۔ حنفیہؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر دونوں گواہوں پر کسی تہمت کے سلسلہ میں حد قذف لگائی جا چکی ہو تو نکاح پھر بھی صحیح ہو گا۔ البتہ ان کی شہادت عدالت میں قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ فیصلہ قرآن کریم کی روح کے خلاف ہے جس میں صاف طور پر فرما دیا گیا ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْ تُوْا بَاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاَجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْالَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [23] "اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش نہیں کر پاتے تو ان کے اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی بھی قبول نہ کرو اور دراصل یہی لوگ فاسق ہیں۔" فاسق گواہوں کے سلسلہ میں بھی یہ آیت کریمہ حنفیہ پر حجت ہے کیوں کہ حد قذف کے سزا یافتہ لوگوں کی شہادت رد کرنے کی وجہ قرآن کریم نے یہی بتائی ہے کہ دراصل یہی لوگ فاسق ہیں اگر فاسقوں کی شہادت قابل قبول تسلیم کر لی جائے تو وَاُولٰئِكَ هُمُ الفٰسِقُوْنَ کے کچھ بھی معنے نہیں بنتے۔ حد قذف کے سزا یافتہ لوگوں

کے بارے میں یہ توجیہہ قابل قبول نہیں ہے کہ ان کی شہادت سے نکاح تو صحیح ہو جائے گا مگر عدالت میں نکاح ثابت نہیں ہو سکے گا۔ایسا فرمانا ہمیں تو قرآن حکیم کی روح کے خلاف نظر آتا ہے[24]۔

الفاظ نکاح

نکاح کن الفاظ سے منعقد ہو جاتا ہے۔اس کے لیے ہمارے فقہاءنے فرمایا ہے کہ نکاح کے لفظ سے، تزویج کے لفظ سے، ہبہ اور تملیک کے لفظ سے نیز صدقہ اور بیع کے لفظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، یعنی یوں کہنا کہ میں نے تم سے نکاح کر لیا، میں نے تم سے شادی کر لی، میں نے خود کو تمہیں ہبہ کر دیا، میں نے تمہیں اپنا مالک بنادیا، میں نے تم پر اپنے آپ کو صدقہ کر دیا، یا میں نے خود کو تمہارے ہاتھوں فروخت کر دیا، ان، میں سے کوئی سالفظ بھی عورت کی طرف سے اصالۃً یا وکالۃً کہہ دیا جائے تو یہ ایجاب ہو گا اور شوہر کی طرف سے یہ کہہ دینا کہ میں نے قبول کر لیا۔ قبول کہلائے گا۔اس ایجاب و قبول کے بعد نکاح منعقد ہو جائے گا۔ہمارے نزدیک الفاظ کی کوئی قید نہیں لگائی جاسکتی۔ایجاب و قبول اپنی مادری زبان میں سوچ سمجھ کر ہونا چاہئے۔ہر زبان میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے مختلف الفاظ ہو سکتے ہیں۔بہر حال الفاظ کا مفہوم یہ ہونا چاہئے کہ عورت نکاح یا شادی کر رہی ہے۔عمر بھر کے لیے باہمی نباہ کی خاطر شوہر تسلیم کر رہی ہے اور شوہر کے ساتھ آئندہ زندگی ایک بیوی کی حیثیت سے بسر کرے گی وغیرہ وغیرہ۔یہ ایک شرعی معاہدہ ہے اسے طرفین کو سوچ سمجھ کر انجام دینا چاہئے۔ہمارے ہاں جو یہ رواج چلا آرہا ہے۔کہ نکاح خواں حضرات عربی میں نکاح کے الفاظ ادا کرتے اور کراتے ہیں جسے نہ شوہر سمجھتا ہے نہ بیوی سمجھتی ہے۔محض برکت کے الفاظ سمجھ کر طرفین اُنہیں ادا کر دیتے ہیں یہ طریقہ غلط ہے۔ہمارے فقہائے کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر عورت نے خود اصالۃً یا اس کی طرف سے کسی نے وکالتاً یہ الفاظ کہے ہوں کہ میں نے خود کو اُجرت پر آپ کے حوالہ کر دیا۔یا میں نے خود کو آپ کے لیے مباح کر دیا۔یا حلال کر دیا۔یا میں نے خود کو آپ کو مستعار دے دیا تو نکاح صحیح نہیں ہو گا۔ہمارے نزدیک بھی یہ الفاظ واقعی نکاح کے لیے صریح نہیں ہیں ان الفاظ سے نکاح صحیح نہیں ہونا چاہئے[25]۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

ان لوگوں نے بہت خوب کہا ہے کہ نکاح صرف اِنکاح اور تزویج سے منعقد ہوتا ہے جو کہ اصحاب شافعی، ابن حامد اور ان کے متبعین جیسے ہمارے اصحاب میں ابی خطاب، قاضی اور اس کے ساتھیوں اور اس کے بعد آنے والوں کا قول ہے۔سوائے اس لفظ اعتقک اور جعل عتقک صداقک۔وہ کہتے ہیں کہ ان دونوں الفاظ کے

سوا دیگر الفاظ کنایہ ہے اور کنایہ پر حکم نیت کی رو سے لاگو ہوتا ہے۔ نیت کا محل تو دل ہے جس کا پتہ نہیں چلتا۔ تو نکاح کا عقد کنایہ سے صحیح نہیں کیوں کہ اس کی صحت شہادت کا محتاج ہے اور نیت پر گواہی نہیں کی جاسکتی۔ برخلاف اس کے جو معاملات طلاق، عتق اور بیع کے کنایات سے صحیح ہو۔ کیوں کہ شہادت اس کی صحت میں شرط نہیں۔ بعض نے اس کو عبادت قرار دیا ہے کیوں کہ اس میں عبادت کے آثار موجود ہیں۔ یہ کئی وجوہ سے ضعیف ہے:

ا۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ان الفاظ کے سوا دیگر الفاظ کنایہ ہیں بلکہ معاملہ میں ایسے عرفی الفاظ بھی ہیں جو کہ انکحت سے زیادہ بلیغ ہیں۔ کیوں کہ یہ لفظ انکحت وطی اور عقد میں مشترک ہے اور لفظ اِملاک عقد کے ساتھ خاص ہے، جب کوئی اس طرح کہتا ہے تو اس سے صرف عقد کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں فلاں کو فلاں کی ملکیت میں دیتا ہوں۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے: املکتکھا علی مامعک من القرآن[26]۔ خواہ وہ روایت بالمعنیٰ ہو یا باللفظ۔

۲۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ کنایہ مطلق نیت کی محتاج ہے، بلکہ جب اس کے ساتھ صریح لفظ یا عقد کے احکام میں سے کوئی حکم اکھٹا کیا جائے تو یہ صریح ہو جائے گی۔ جیسا کہ وقف میں کہا گیا ہے کہ یہ کنایہ سے بھی واقع ہو جاتا ہے۔ سو جب ایسا کہا جائے کہ میں نے تمہاری ملکیت میں یہ فلانہ دے دی اور اس نے کہا کہ میں نے یہ تزویج قبول کی۔ یا ایسا کہا کہ یہ فلانہ میں نے تمہیں زوجہ کے طور پر عطا کی اور اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ یا اس طرح کہا کہ میں نے اسے تمہارے اختیار میں دے دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یا تو اسے اچھی طرح ساتھ رکھو اور یا اسے آزاد کر دو وغیرہ۔ سو اس کے ساتھ وہ الفاظ اور احکام ساتھ اکھٹے کیا جس سے یہ صریح بن گیا۔

۳۔ آزاد عورت کی طرف اس طرح کا اضافت کرنا مطلب کو خود واضح کرتا ہے۔ جب اس طرح اپنی بیٹی کے بارے میں کہا کہ یہ میں تمہاری ملکیت میں دے دی یا تمہیں عطا کی یا تمہیں تزویج میں دے دی وغیرہ سو یہ محل اجمال اور اشتراک کی نفی کرتا ہے۔

۴۔ کہ رجوع میں گواہی کرنے سے یہ منقوض ہے۔ سو یہ جائز ہے یا واجب یا مستحب۔ جو کہ ایک قول کے مطابق رجعت کے صحیح ہونے کی شرط ہے، بیع اور دیگر معاملوں میں گواہی کرنے سے، کیوں کہ مطلق جائز ہے خواہ وہ عقد صریح ہو یا کنایہ مفسرہ۔

۵۔ گواہی تو عقد پر ہی صحیح ہوتی ہے اور حاکم کے ہاں اس صورت میں ثابت ہوتی ہے کہ میں نے عقد کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں شہادت کا معتبر ہونا اس کو مانع نہیں۔

۶۔ عاقدین کے لیے اپنی مراد کی تفسیر ممکن ہے اور ان کی تفسیر کے مطابق گواہی دی جائے گی۔

۷۔ ہمارے نزدیک جب کنایہ کے ساتھ دلالت حال اکھٹا کیا جائے تو وہ ظاہر میں بلانزاع صریح بن جاتا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ لوگوں کا اجتماع، تقدیم خطبہ، ذکر مہر، اس کی حوالگی، نکاح کے متعلق باتیں کرنا یہ نکاح کو قطعی طور پر ثابت کرتی ہے۔ اس میں عبادت کا پہلو دلیل شرعی کا محتاج ہے۔ پھر عقد جنس ہے اس میں الفاظ سے تعبد جائز نہیں، کیوں کہ اس میں ایمان شرط نہیں بلکہ کافر کے ساتھ بھی معاملہ کرنا (بیع) صحیح ہے اور اس میں کافر کا تعبد صحیح نہیں۔[27]

خلاصہ بحث

اس تحقیقی آرٹیکل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا نکاح دو آزاد، عاقل بالغ اور مسلمان گواہوں کے بغیر منعقد نہ ہو گا۔ دونوں گواہ مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ عادل ہوں یا غیر عادل یا محدود فی القذف ہوں (یعنی انہیں تہمت لگانے کی بناء پر سزا مل چکی ہو) اور ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں باہمی رضامندی ضروری ہے۔ مرد ہو یا عورت ہو کسی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف زبردستی نہیں کی جاسکتی۔ دونوں طرف سے رضامندی کا اظہار ہونا چاہئے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] ہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، ابوالحسن علی بن ابو بکر مرغینانی، کتاب النکاح، ۱ : ۱۹۰، المکتبۃ الاسلامیہ، سطن

[2] سنن ترمذی، محمد بن عیسی، ج۳، ص۴۰۷، باب ماجاء لا نکاح إلا بولي، رقم الحدیث:۱۱۰۱، دار ابن الہیثم ۲۰۰۴ء

[3] سنن الدار قطنی، أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد البغدادي الدار قطني، ج۴، ص۳۲۸، کتاب النکاح، رقم الحدیث؛۳۵۴۲، الناشر: مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة: الأولى، 1424ھ - 2004م، عدد الأجزاء:5

[4] بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، ابن رشد، صفحہ:۶۴۵، دار التذکیر لاہور، ۲۰۱۱ء

[5] مجموعہ قوانین اسلام، ۱ : ۷۵ تا ۱۰۲۔۔۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، وہب ذہیلی، ۹ :۱۶۶، دار الاشاعت کراچی، ۲۰۱۲ء

[6] ہدایہ ۱ : ۱۸۶

[7] احکام القرآن، محمد بن علی ابو بکر جصاص، ج ۲: ص ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۴ء

[8] تفصیل کے لیے دیکھیے فتاوی عالمگیری، ۱ : ۲۹۰ تا ۲۹۴

[9] سورۃ النساء ۴ : ۲۵

[10] سورۃ النساء ۴ : ۴

[11] مستدرک علی الصحیحین، ابو عبد اللہ حاکم، ۲ : ۱۹۴، حدیث:۲۷۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء

[12] سورۃ الطلاق ۶۵ : ۲

[13] سنن دار قطنی، ج۴: ص۳۱۵، رقم الحدیث:۳۵۲۱

[14] صحیح بخاری، کتاب: النکاح، باب: ضرب الدف فی النکاح والولیمۃ، رقم الحدیث:۵۱۴۷، دار السلام ۱۹۹۹ء

[15] المدونۃ الکبریٰ، مالک بن انس، ج ۲، ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، س-ن

[16] کتاب الام، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعیؒ، ۵ : ۲۵۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ء

[17] ہدایہ، کتاب النکاح، ۱ : ۱۸۷، ۱۸۶

[18] سورۃ النساء ۴ : ۱۹

[19] سورۃ البقرۃ ۲ : ۲۳۲

[20] سورۃ الطلاق ۶۵ : ۲

[21] سورۃ البقرۃ ۲ : ۲۳۲

[22] المیزان الکبریٰ ج ۲: ص ۱۱۱

[23] سورۃ النور ۲۴ : ۴

[24] فقہ القرآن، عمر احمد عثمانی، ج ۱: ص ۴۸۶، ادارہ فکر اسلامی کراچی، ۱۹۸۱ء

[25] فقہ القرآن ج ۱: ص ۴۸۶

[26] جامع صحیح بخاری، کتاب: فضائل القرآن، باب: القراءۃ عن ظہر القلب، رقم الحدیث: ۵۰۳۰

[27] مجموعۃ الفتاویٰ، احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، ۳۲ : ۱۱، کتاب النکاح، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء